تاریخِ نعت گوئی
میں
حضرت رضا بریلوی کا منصب
شاعر لکھنوی
رضا اکیڈمی لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۴۸

نام کتاب ________ [illegible]

تصنیف ________

ناشر ________ رضا اکیڈمی

مطبع ________ احمد سجاد آرٹ پریس ہجویری روڈ لاہور

ھدیہ ________ دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈیمی رجسٹرڈ لاہور

عطیات بھیجنے کے لیے

رضا اکیڈمی اکاؤنٹ نمبر ۹۲۸/۳۹، حبیب بنک

وسن پورہ برانچ لاہور

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات پانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں!!

ملنے کا پتہ

رضا اکیڈمی رجسٹرڈ مسجد رضا محبوب روڈ چاہ میراں لاہور پاکستان

کوڈ نمبر ۵۴۹۰۰، فون نمبر ۷۲۵۰۴۴۰

رضا اکیڈمی لاہور کو اس عظیم شخصیت سے نسبت حاصل ہے۔

☆ جسے دنیائے اسلام امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے نام سے جانتی اور مانتی ہے۔

☆ جس نے تجدید عشقِ رسالت کا عظیم فریضہ انجام دے کر عرب و عجم سے مجدد کا عظیم لقب پایا۔

☆ جس نے انگریز کی مکاری اور ہنود کی چالاکی کا مردانہ وار مقابلہ کر کے مسلمانوں کو اسلامی ملی تشخص کا شعور بخشا۔

☆ جس نے قوم پرست علماء کے "ملت از وطن است" نعرے کا بروقت تعاقب کیا۔

☆ جس نے ملت اسلامیہ کو تقدس خداوندی، ناموس رسالت اور عظمت صحابہ واولیاء کا امین اور علم وادب کا عظیم مرقع "ترجمہ قرآن" دیا۔

☆ جس نے قدیم و جدید علوم پر ایک ہزار کے لگ بھگ علمی اور تحقیقی تصانیف یادگار چھوڑیں۔

☆ جس کا تقویٰ، خدا خوفی اور عشقِ رسالت مسلمانانِ عالم کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ جو آج بھی عقیدت و محبت کے گلدستے "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کی دلاویز گونج میں زندہ و پائندہ ہے۔

زندہ باد اے مفتی احمد رضا ! پائندہ باد

اغراض و مقاصد

○ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی عظیم علمی و روحانی شخصیت کا بھرپور تعارف۔

- امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تحقیقی نگارشات کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے منظرِ عام پر لانا۔
- مسجد رضا، مدرسہ ضیاء الاسلام اور رضا فری ڈسپنسری (چاہ میراں لاہور) کا ا[illegible] انصرام۔
- مستقبل قریب میں فری کلینک لیبارٹری کا قیام۔
- مسلمانوں میں خوفِ خدا اور عشقِ رسالت کا جذبہ بیدار کرنے اور انہیں ا[illegible] تعلیمات کا خوگر بنانے کے لئے جید اور اہلِ قلم علماء کی معیاری کتب کی اشاع[illegible] تقسیم۔

سرپرست مشائخ عظام

- قدوۃ السلف حضرت العلام الحاج مولانا اختر رضا خان صاحب الازہری البر[illegible] القادری مدظلہ نبیرہ امام احمد رضا قادری بریلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) بریلی شریف
- فضیلۃ الشیخ حضرت الحاج علامہ مولانا محمد فضل الرحمٰن صاحب مدنی قادری [illegible] مدظلہ خلف الرشید حضرت شیخ مولانا محمد ضیاء الدین احمد قادری مدنی رحمۃ اللہ تع[illegible] مدینہ منورہ۔
- فخر المشائخ حضرت الحاج صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ [illegible] سجادہ آستانہ عالیہ حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ شرقپور شریف۔
- پیر طریقت حضرت الحاج صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول حیدر قادری رضوی بریلو[illegible] مدظلہ جگر گوشہ محدثِ اعظم پاکستان (رحمہ اللہ تعالیٰ) فیصل آباد

اہل علم و قلم

- جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب (کراچی)
- حضرت علامہ ارشد القادری (بھارت)
- علامہ الٰہی بخش صاحب (ایم-اے)
- شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو الفیض محمد عبد الکریم ابدالوی چشتی رضوی
- حضرت مولانا علامہ محمد مقصود احمد خطیب داتا حضور رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی سعیدی
- حضرت مولانا حافظ محمد عبد الستار صاحب سعیدی
- مولانا صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ چشتی رضوی (ایم-اے)
- حضرت مولانا قاری محمد عباس صاحب نقشبندی
- حضرت مولانا علامہ محمد احمد صاحب مصباحی مدظلہ
- حضرت علامہ محمد عبد المبین صاحب نعمانی
- حضرت علامہ یٰسین اختر الاعظمی
- حضرت علامہ بدر القادری (ایم-اے)

سرپرست اعلیٰ : مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس و جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

سرپرست و مشیر : مولانا محمد منشا تابش قصوری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بانی : مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی صاحب

مہتمم : الحاج محمد مقبول احمد قادری ضیائی

صدر : عمر بخش ڈار صاحب

سینئر نائب صدر : رانا محمد سعید صاحب

نائب صدر : الحاج محمد امین صاحب جنرل سیکرٹری محمد اعظم صاحب

سیکرٹری : حافظ محمد سہیل ریاض

[illegible] : محمد اعجاز بٹ صاحب

سیکرٹری نشر و اشاعت　　حافظ محمد طاہر رضا صاحب

خازن　　محمد عاشق غوث صاحب

خصوصی معاونین

(۱) محمد نواز بٹ صاحب　　(۲) شیخ محمد اسلم صاحب

(۳) محمد شفیع بٹ صاحب　　(۴) الحاج محمد رفیق احمد صاحب

(۵) حاجی بابا محمد گلزار صاحب　　(۶) رانا محمد اسلم صاحب

(۷) محمد خالد قادری صاحب　　(۸) شیخ رنگ الٰہی صاحب

شعبہ جات

رضا اکیڈمی کی نگرانی میں مندرجہ ذیل شعبہ جات باحسن طریق کام کر رہے ہیں۔

جامع مسجد رضا

اہل اسلام کے مرکز کی حیثیت سے مسجد کی اہمیت' روز روشن کی طرح واضح ہے' اللہ تعالیٰ کا یہ گھر' باہمی میل جول' درس و تدریس اور تبلیغ دین کا ایک موثر ذریعہ ہے۔

رضا اکیڈمی نے بھی ان اہم مقاصد کے حصول کے لئے مسجد کی ضرورت کو محسوس کیا چنانچہ جامع مسجد رضا جو فن تعمیر کے اعتبار سے ایک نہایت خوبصورت اور تبلیغ و اشاعت کے لحاظ سے مرکزی حیثیت کی حامل ہے' اسی اکیڈمی کی نگرانی میں تعمیر و ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔

مدرسہ ضیاء الاسلام

قرآن مجید حفظ و ناظرہ کی تعلیم کے لیے مدرسہ ضیاء الاسلام بحسن و خوبی فرائض منصبی انجام دے رہا ہے اس ادارے کی خوبی یہ ہے کہ اسے قطب وقت' الشیخ محمد ضیاء الدین مدنی خلیفہ مجاز امام احمد رضا بریلوی قدس اللہ سرہما سے نسبت حاصل ہے اس ادارے میں مخلص

اور قابل اساتذہ' شب و روز خدمت دین میں مصروف ہیں۔ طلباء کی مفت تعلیم کے علاوہ ان کے خورد و نوش کی ذمہ داری بھی رضا اکیڈمی نے اٹھا رکھی ہے اس ادارے سے مقامی و بیرونی طلباء کی اچھی خاصی تعداد استفادہ حاصل کر رہی ہے۔

رضا فری ڈسپنسری

رضا اکیڈمی نے روحانی بیماریوں کے علاج کے ساتھ ساتھ جسمانی امراض کے علاج کے لئے بھی خاطر خواہ انتظام کر رکھا ہے چنانچہ رضا فری ڈسپنسری کے تحت نادار اور مفلس افراد کی ایک بہت بڑی تعداد فری علاج کی سہولت سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔

رضا لائبریری

تبلیغ و اشاعت کے ضمن میں کتاب کی افادیت و اہمیت سے ہر ذی شعور واقف ہے' اور یہ حقیقت بھی ناقابل تردید ہے کہ ہر شخص کے لئے کتاب خریدنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے چنانچہ عوامی ضرورت کی تکمیل کے لئے لائبریری کا قیام از بس ضروری ہے رضا اکیڈمی نے اسی ضرورت کے پیش نظر رضا لائبریری کے ذریعے علم کی شمع کو روشن کر رکھا ہے۔

تقریبات رضا

اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ تقریر کو بھی ایک اہم مقام حاصل ہے چنانچہ رضا اکیڈمی نے اس میدان کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ مختلف اسلامی تہواروں' بزرگان دین کے اعراس مبارکہ بالخصوص یوم رضا اور نعت خوانی و حسن قرات کے مقابلوں کے ذریعے تعلق باللہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن کر رکھی ہے۔

اشاعت کتب

رضا اکیڈمی کا اہم شعبہ نشر و اشاعت کتب ہے اس اکیڈمی نے اسلامی کتب کی اشاعت ہی نہیں کی بلکہ مفت تقسیم کے ذریعے علم و دانش کو دروازے دروازے تک پہنچانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ رضا اکیڈمی اس وقت تک 65 سے زائد کتب چھاپ کر تقسیم کر چکی ہے جن میں سے بعض کتب تو کئی مرتبہ اشاعت کی منازل طے کر چکی ہیں۔

دعوت شرکت

مسلمان بھائیو ! آپ نے رضا اکیڈمی کی خدمات کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائی، اس کے تعلیمی و تبلیغی منصوبوں میں شرکت باعث سعادت بھی ہے اور فرض منصبی بھی۔ اگر آپ عالم دین ہیں تو رضا اکیڈمی کی تبلیغی سرگرمیوں میں تعاون کیجئے۔ اگر آپ اہل قلم، استاد، پروفیسر اور دانشور ہیں تو اپنے قلم سے رضا اکیڈمی کی قلمی خدمات میں مدد و معاون ہوں۔ اگر آپ تاجر اور اہل ثروت ہیں تو اپنے قیمتی عطیات کے ذریعے اس اکیڈمی کی مالی معاونت کر کے تبلیغ دین میں شرکت کا ثواب حاصل کریں۔

نوٹ : اپنے عطیات رضا اکیڈمی اکاؤنٹ نمبر ۳۸ / ۹۳۸ حبیب بنک وسن پورہ برانچ لاہور میں جمع کرائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

چشم براہ : ارکان رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

تاریخ نعت گوئی میں

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا منصب

زمانۂ رسالت حضور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرب میں نعت گوئی کا آغاز ہوتا ہے اس دور کا ذکر کرتے ہی تاریخ ہمارے سامنے حضرت حسان بن ثابت، کعب بن زہیر اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کے جگمگاتے ہوئے چہرے پیش کرتی ہے اور ان کی تخلیقاتِ شعری ہمارے قلوب میں عشق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جذبہ پیش کرتی ہیں ؂

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي   وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

(حضور سے بڑھ کر حسین و جمیل چہرہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا حضور سے بہتر اور برتر انسان پیدا کسی عورت نے کبھی نہیں جنا) حضرت حسان کی یہ آواز ہماری سماعت کا وقار بڑھاتی ہے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ اس آواز میں ؂

رُوْحِي الْفِدَاءُ لِمَنْ اَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ   بِاَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِنَ الْبَشَرِ

(میری جان اس پر فدا جس کے اخلاق شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں افضل ترین ہیں) کی آواز ملا کر اس وقار میں چار چاند لگاتے ہیں۔ پھر کعب بن زہیر ؂

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ   مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللهِ مَسْلُوْلُ

(بیشک رسول اللہ وہ سیف ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے وہ اللہ کی تلواروں میں ایک کھینچی ہوئی تلوار ہیں) کا نعرہ لگا کر اس آواز کو اور آگے بڑھاتے ہیں۔

نعت گوئی کے اس سفر میں اور بہت سی آوازیں سماعتوں کے افق پر روشنی بکھیرتی ہوئی گزرتی ہیں۔ ان میں شیخ محمد بن احمد جمال الدین یحییٰ، شیخ ابو محمد عبداللہ

ابوزید عبدالرحمٰن بن سعید الفزیر اندلسی، جمال الدین بن نباتہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور ان آوازوں میں ایک اور آواز جو سب آوازوں میں منفرد و ممتاز ہے وہ ہے علامہ بوصیری مصری (رحمۃ اللہ علیہ) مصنف قصیدۃ البردہ کی آواز۔

عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اظہار کے سلسلے میں یہ آواز قبولیت کے جس درجے پر فائز ہے اس کا جواب نہیں۔ اس قصیدے کا مرتبہ ایسا ہے کہ عرب و عجم دونوں اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس عدیم المثال جواہر پارے میں احساس کی جو بے پناہی، جذبے کا جو عمق، اظہار کی جو برجستگی، الفاظ کی جو اثر انگیزی، خلوص کی جو شدت اور دردمندی کی جو چمک پائی جاتی ہے، وہ اپنا جواب آپ ہے۔ صداقت، پاکیزگی، لطافت اور کیفیت کا جادو اس قصیدے کے حرف حرف میں کو دیتا نظر آتا ہے۔

آوازوں کے یہ جانے پہچانے چہرے محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وہ آئینے ہیں جن کی چھوٹ سے آنکھیں بے اختیار اشک ریزی پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ آوازوں کی اس جماعت میں زمانے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جاتا ہے اور ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا (مجروح سلطان پوری)

کے مصداق چہروں کا ایک بڑا قافلہ بن جاتا ہے اور نعت گوئی اپنے مراحل طے کرتی ہوئی عرب سے ایران کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس سرزمین نے اس قافلے میں ایسے ایسے وقیع چہروں کا اضافہ کیا اور نعت گوئی کا ایک ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ کیفیت و کمیت، فکر و فن، زبان و بیان، اظہار و ابلاغ، سمت و جہت، تاثیر و تاثر اور مفہوم و معانی کے اعتبار سے وہ کون سی خوبی ہے جو اس ذخیرے میں موجود نہیں۔ نعت کے اس قافلے کو آگے بڑھانے والوں میں صحابۂ کرام، صوفیاء، فقراء، شعراء، علماء، مجتہدین، فقہاء، اور بادشاہ سبھی شریک ہیں۔ ابتدائی دور میں محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

کا جو جذبہ فارسی مسلمان شعراء کے دلوں میں موجزن تھا اس نے برگ و بار نکالے اور نعتیہ مضامین کا وہ خزانہ وجود میں آیا جس میں فارسی ادب کے بہترین جواہر پارے اپنی تاب سے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں۔ نعت گوئی کا یہ جذبہ کہیں ؎

نہ بہ پشت و پناہِ ہر دو عالم   سرور سالارِ فرزندانِ آدم

کی شکل میں سنائی غزنوی کو ہمارے روبرو دلاتا ہے، کہیں ؎

غلام حلقہ بگوشِ رسولِ ساداتم   زہے نجات نمودن حبیبؐ و آیاتم

کا نغمہ ہونٹوں پر لئے سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی پیرانِ پیر دستگیر (علیہ الرحمۃ) کا چہرہ ابھرتا ہے، کہیں نظامی گنجوی ؎

سرو سرہنگِ میدانِ وفا را   سپہ سالارِ خیلِ انبیاء را

کے شعری روپ میں نمودار ہوتے ہیں۔ کہیں ؎

گرچہ بصورت آمدی بعد از ہمہ پیغمبراں
اما بہ معنی بودہ سرخیلِ جملہ انبیاء

کا ورد کرتے ہوئے حضرت بختیار کاکی (رحمۃ اللہ علیہ) کا چہرہ جنت نگاہ بنتا ہے اور کہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی (علیہ الرحمۃ) ؎

ما طالبِ خدائیم بردینِ مصطفائیم   بر درگہش گدائیم سلطانِ ما محمد

کے پیرہن میں جلوہ نمائی کرتے ہیں۔ سلسلہ سلسلے سے مل کر آگے بڑھتا جاتا ہے اور ؎

آفتابِ شرع، دریائے یقیں   نورِ عالم رحمۃ للعالمیں

کی آواز کے ساتھ عطار نیشاپوری کے خدوخال سامنے آتے ہیں، کہیں ؎

از رحمۃ للعالمیں اقبالِ درویشاں ببیں
چوں مہ معطر خرقہا چوں گل معطر شالہا

کے پردے سے حضرت شمس تبریز (علیہ الرحمۃ) کا چہرہ برآمد ہوتا ہے۔ کہیں مولانا

جلال الدین رومی (علیہ الرحمۃ) اپنی ادائے والہانہ سے

سید و سرور محمد نور جان مہتر و بہتر شفیع مذنبان

کے الفاظ میں چہرہ نمائی کرتے ہیں۔ کہیں سعدی شیرازی سے

یک جاں چہ کند سعدیِ مسکیں کہ دو صد جاں

سازیم فدائے سگِ دربانِ محمد

کی زبان میں عشق مصطفےٰ کی چہرہ آرائی میں مصروف ہیں، کہیں حضرت بوعلی قلندر پانی پتی (علیہ الرحمۃ)

یک کفِ خاک از درِ پُر نورِ او ہست ما را بہتر از تاج و نگیں

کے نعرۂ مستانہ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، کہیں حضرت نظام الدین اولیاء (علیہ الرحمۃ) کی آواز سے

صبا بسوئے مدینہ رُو کن ازیں دعا گو سلام برخواں

بگردِ شاہ مدینہ گردد بصد تضرع پیام برخواں

کے حساب سے جو جلوہ آرائی ہے کہیں حضرت امیر خسرو کی آواز سے

مبارک نامۂ قرآں تو داری کہ مرغِ نامہ شد روح الامینش

کی روشنی بکھیرتی نظر آتی ہے یا (بلبلِ دستان قال) کا چہرہ سے

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجہک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے آئینے میں جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کہیں نورالدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

یا شفیع المذنبیں بارِ گناہ آوردہ ام

بر درت ایں بار با پشتِ دوتاہ آوردہ ام

کی تفسیر بہتے اشکوں اور بھیگے چہرے کے ساتھ کر رہے ہیں تو کہیں جان محمد قدسی کا چہرہ سے

مرحبا سید مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ما بہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم زاں کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

کی چھوٹ سے گلزار نظر آتا ہے اور ان تمام آوازوں کے چہرے مل جل کر اپنے اپنے لہجے، مزاج، شوق و ذوق، ماحول، زبان اور عشق کے مطابق نعت گوئی کی ایسی سدا بہار فضا تیار کرتے ہیں جو فارسی نعتیہ شاعری کے کینوس کو وسیع سے وسیع تر کر دیتی ہے۔

فارسی نعت گو شعراء، صوفیاء، اہل کمال اور صاحبانِ بصیرت کا یہ قافلہ سرزمین فارس سے اپنے سفر کا رخ ہندوستان کی طرف موڑتا ہے اور عصری سفر کے تسلسل کی کڑیاں ایک دوسرے سے مل کر تخلیق کے دائرہ کار کو مزید وسعت اور سمت و جہت عطا کرتی ہیں اور جب فارسی زبان اردو سے گلے ملتی ہوئی اور آگے بڑھتی ہے تو اس کارواں کی قطار کا سرا صدیوں کو چھو لیتا ہے۔ نعت گوئی کے مقدس جذبے کو اظہار کی قدرت عطا کرنے کا یہ سلسلہ کتنا رنگا رنگ، کتنا پہلو دار اور کتنا پرکشش ہے۔ جذبۂ عشق کی یہ صورت نمائی سے

یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں

خلق کو لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

کے آئینے میں ڈھل کر ولی دکنی کا چہرہ بن جاتی ہے کہیں فراقی بیجاپوری کی آواز بن کر سے

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا

محمد کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا

کے الفاظ میں ڈھل جاتی ہے یہ جذبۂ مدحتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی سے

ولا دریائے رحمت قطرہ ہے آب محمد کا جو چاہے پاک ہو پیرو ہوا اصحاب محمد کا

کے وسیلے سے مرزا رفیع الدین سودا کی آواز بن جاتا ہے۔ محبت کی یہ کرن کبھی ؎

اے بہر شفاعت دو عالم لائق
دارم ز جناب تو امیدِ واثق

کے روپ میں خواجہ میر درد کی ذات میں چمک بکھیرتی ہے تو کبھی میر تقی میر کی آواز ؎

جرم کی کھو شرمگینی یا رسول — اور خاطر کی حزینی یا رسول
کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یا رسول — تیری رحمت ہے یقینی یا رسول
رحمۃ للعالمینی یا رسول — ہم شفیع المذنبینی یا رسول

کے واسطے سے ہماری سماعت کو زندگی بخشتی ہے۔ کہیں نظیر اکبر آبادی اپنے جذبۂ عقیدت کو فکر کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں ؎

تم شہِ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفےٰ — سر گروہِ مرسلیں ہو یا محمد مصطفےٰ
حاکمِ دینِ متیں ہو یا محمد مصطفےٰ — قبلۂ اہلِ یقیں ہو یا محمد مصطفےٰ

کہیں انشا، اللہ خان انشاؔ کا جذبۂ صادق یہ روپ اختیار کرتا ہے ؎

لعلِ ذاتِ کبریا، باعثِ خلقِ جزو کُل — فخرِ جمیع مرسلیں رہبر و ہادیٔ سُبل
نور سے جس کے ہو گئی آتشِ کفر بجھ کے گُل — بعدِ نماز تھا یہی وردِ وظیفۂ رُسُل
صلِّ علیٰ نبیّنا صلِّ علیٰ محمدٍ

کہیں حکیم مومن خاں مومن، جان محمد قدسی کی آواز میں آواز ملا کر اس طرح گویا ہوتے ہیں ؎

ہوں تو مومن مگر اطلاق ہے یہ بے ادبی — میں غلام اور وہ صاحب ہے میں اُمت وہ نبی
یا نبی یک نگہِ لطف بامی و ابی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کہیں ذوقؔ اپنے دیدۂ نم کے ساتھ خدائے قدوس سے ان الفاظ میں محو التجا نظر آتے ہیں ؎

ہے نام محمد لب پہ یا رب اوّل و آخر — اٹھ جائے بوقتِ نزع حبیب سینے میں دم مرا

کہیں بہادر شاہ ظفر ؎

اے سرورِ دو کون و شہنشاہ ذوالکرم
سر خیلِ مرسلین و شفاعت گرِ اُمم

کا وظیفہ دہراتے ہوئے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کہیں مدح کا یہ انداز ؎

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمد است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمد است

کے الفاظ میں سمٹ کر غالب بن جاتا ہے تو کہیں داغ دہلوی ؎

کر دو غم سے آزاد یا مصطفےٰ — کبھی سے ہے فریاد یا مصطفےٰ

کے لب و لہجہ میں نقشِ فریادی بن کر درِ قبول کے وا ہونے کے منتظر ہیں۔ کہیں محسن کاکوروی قصیدہ لامیہ ؎

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے دوش پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

میں اپنے سدا بہار روپ کے ساتھ جگمگاتے ہیں کہیں مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ؎

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

کے پردے میں راز و نیاز کے پھول برساتے ہیں۔ کہیں حالی کا جذبۂ نعت گوئی اس مصرعہ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

کے سہارے سماعت کی وادیوں میں اترتا جاتا ہے۔ کہیں احمد رضا خاں رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی منفرد آواز اس طرح گونجتی ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

غرضیکہ آوازوں کا یہ سفر پوری آن بان سے جاری ہے ۔ ذیل کی آوازیں اپنے اپنے لہجے میں اپنا اپنا تعلقِ عشق ظاہر کرتی ہیں :

ز سر تا بہ پا رحمتی یا محمد
نظر جانب ہر گنہگار داری
عزیز صفی پوری

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہو جائے
کعبۂ دل مرے اللہ مدینہ ہو جائے
ریاض خیرآبادی

دل نثارِ مصطفےٰ، جاں پائمالِ مصطفےٰ
یہ اویسِ مصطفےٰ ہے وہ بلالِ مصطفےٰ
اصغر گونڈوی

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ
علامہ اقبال علیہ الرحمۃ

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھینچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بیدم شاہ وارثی مرحوم

ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقشِ قدم کی
سر پہ کبھی رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں
حسرت موہانی

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
مولانا ظفر علی خاں

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظرِ رحمتِ سلطانِ مدینہ
جگر مرادآبادی

وجودِ پاک ہے کتنا محبت آفریں تیرا
نہیں ثانی کوئی اے رحمۃ للعالمیں تیرا
ہادی مچھلی شہری

جڑے ہوئے ہیں جو دل میں مرے نگینے سے
یہ داغِ ہجر ہیں، لایا ہوں جو مدینے سے
مصطفےٰ خاں لکھنوی

ترا ست رتبۂ عالی ز حضرتِ قیوم
کہ ہست بر دو جہاں زیرِ حکمِ تو محکوم
(معروف امیٹھوی)

شب و روز مصروفِ صلِّ علیٰ ہوں
میں وہ چاکرِ خاتمِ انبیاء ہوں
سردار عبدالرب نشتر

صاحبِ تاجِ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
صدر نشینِ بزمِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
روش صدیقی

ارضِ دل سے اٹھے نوائے درود
گونج اس کی فلک فلک جائے

(حفیظ تائب)

مدینے دل و روح وجاں لے کے جاؤں
محبت کا سارا جہاں لے کے جاؤں

(بہزاد لکھنوی)

دمِ آخر مجھے آقا کی زیارت ہو گی
ایک دن آئیں گے سرکار قضا سے پہلے

(حافظ مظہر الدین)

رحمۃ للعالمینؐ سے جلے دل کا چراغ
انس وجاں کو خیر خواہِ انس وجاں درکار تھا

(احسان دانش)

اے ساقیٔ کوثرؐ یہ کیا بوالعجبی ہے
سیراب ہوں میں پھر بھی وہی تشنہ لبی ہے

(زائرِ حرم حمید صدیقی)

تعبیرِ شبِ غیب شبستانِ محمدؐ
والفجر طلوعِ رخِ تابانِ محمدؐ

(ذہین شاہ تاجی)

وہ جس نے نوعِ انساں کو غلامی سے رہائی دی
وہ جس نے پنجۂ مرگِ دوامی سے رہائی دی

(حفیظ جالندھری)

نعتِ سرکارِ بطحیٰ رقم ہو گئی
آج معراجِ لوح و قلم ہو گئی

شاعر لکھنوی

جب بھی سپاہیوں سے پیمبرؐ کو پوچھے
خندق کا ذکر کیجئے خیبر کو پوچھے

عبد الرحمٰن کیانی

محمدِ عربی آبروئے ہر دوسرا
حبیبِ پاکِ خدا جانِ عالم و آدم

عبد العزیز خالد

نعتِ محبوبِ داور سند ہو گئی
فردِ عصیاں مری مسترد ہو گئی

منوّر بدایونی

ہم حلقہ بگوشانِ درِ مصطفویؐ ہیں
ہم اور کسی در پہ جبیں کیسے جھکائیں

اقبال عظیم

ریاضِ خدا کا گلِ سرسبد
محمدؐ ازل ہے محمدؐ ابد

سلیم احمد

کہکشاں بڑھ کے چھولے قدم آپ کے
یہ تو معراج ہے کہکشاں کے لئے

محشر بدایونی

آوازوں کے یہ رنگا رنگ زاویے پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ کاروانِ نعت کے
اس عہد تک آتے آتے نعت کے فن میں رنگ و آہنگ کے جو نئے نئے گوشے پیدا ہوئے اُن
کا پورا منظر نگاہ میں رہے۔ نعت گوئی کا یہ سلسلہ اب صرف جذبہ ہی نہیں رہا اس جذبے
نے ایک مستقل موضوع کی صورت اختیار کر لی ہے اور موجودہ دور کے جو شعراء فرضی محبوب کے
لئے غزل کہنے کو اپنی ہنرمندی اور کمال کا ذریعہ سمجھتے تھے، اب محبوبِ خدا کی نعت کو سرمایۂ
دین و ایمان سمجھ کر اپنی فکر کی باگ ادھر موڑ رہے ہیں۔ اسی طرح یہ کارواں برابر رواں
دواں ہے اور ہمیں اس میں جمود اور تھکن کے آثار کہیں نہیں ملتے۔ نئے نئے چہرے ذوق و
شوق کی فراوانی کے ساتھ اس میں شامل ہوتے جارہے ہیں۔ ان میں صہبا اختر،
امید فاضلی، نیر مدنی، اعجاز رحمانی، کوثر القادری، شعلہ آسیونی، مجید
کھامگانوی، رشید گوالیاری، انعام گوالیاری اور احسان کاکوردی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

برصغیر ہند و پاک میں نعتِ رسول کہنے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ان میں زیادہ
تعداد ایسی ہے جو دوسری اصنافِ سخن کے دوش بدوش نعت پر بھی خاصی توجہ دے
رہے ہیں لیکن اگر ہم اس فہرست سے ایسے چہروں کا انتخاب کریں جنہوں نے نعت گوئی کے سوا
کسی دوسری صنف کو وسیلۂ اظہار بنانا تو کجا چھونا بھی گوارا نہ کیا ہو تو ان کی تعداد چار چھ
سے آگے نہیں بڑھتی۔ ان میں بلاشبہ محسن کاکوروی، احمد رضا خاں رضا بریلوی،
اور ضیاء القادری بدایونی کے نام گلشنِ نعت کے گلِ سرسبد قرار دیئے جاسکتے ہیں۔
ان کے علاوہ راز مرحوم حمید صدیقی، عزیز حاصل پوری، حفیظ تائب، حافظ مظہر الدین،
کے نام ہیں۔ فی الوقت ہمارے اس مضمون کا موضوع چونکہ حضرت احمد رضا خاں رضا بریلوی
سے متعلق ہے اس لئے ہم اپنے قلم کو اسی دائرے تک محدود رکھیں گے

احمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمہ) نے نعت اور صرف نعت کو اپنا مقصدِ حیات
بنایا۔ اس صنف کو بہترین ادبی جواہر پاروں سے مزین کیا اور ایسی نعتیں لکھیں جو زبانِ بیان

فکر و فن، اظہار و ابلاغ اور تاثیر و تاثر کے اعتبار سے اردو ادب میں سرمائے کا درجہ رکھتی ہیں۔
اُن کی فارسی نعتیں بھی اسی درجۂ کمال پر فائز ہیں۔ انہوں نے نعت کے میدان میں اپنی جودتِ
طبع کے جو اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں ان میں سے ان کی ایک مشہور و مقبول نعت کا ذکر کرنا
ضروری سمجھتا ہوں جس میں اردو، ہندی، فارسی اور عربی کے تانے بانے سے وہ
عمارت تعمیر کی گئی ہے جو نعت گوئی کا ذوق رکھنے والوں کے ذہنوں میں ہمیشہ اپنی جگہ
قائم رکھے گی۔ یہ تخلیق ذہنی تنوع اور علمی ظرف کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی مثال
ہمیں فیضی، قاآنی، خسرو اور انشاء اللہ خاں انشا کے علاوہ شاید ہی کہیں اور
نظر آسکے۔

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

مندرجہ بالا نعت ہندی، اردو، فارسی اور عربی آمیز ہونے کے باوجود اپنے
تاثر کی اکائی کو برقرار رکھتی ہے۔

نعت گوئی کا فن عشقِ رسول کی منزل میں ایک ایسا پل صراط ہے جس پر قدم
رکھنے اور توازن قائم رکھتے ہوئے اس پر سے گزر جانے کی سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب

ہوتی ہے جب تک دینی علوم کی بصیرت، شریعت و طریقت سے آگہی اور عشق کے باریک سے باریک رموز کا عرفان نہ ہو، اور عروج کرنا ٹھوکر کھانے کے مترادف ہے۔ اصناف شعر میں اس صنف سے زیادہ مقدس، نازک اور دشوار گزار کوئی دوسری صنف نہیں۔ شدت احساس کو عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دیوار میں چن دینے کے بعد ہی نعت گوئی کا صحیح شعور پیدا ہوتا ہے۔ جذبے کو لفظ عطا کرنے، لفظوں کی تہذیب و ترتیب کرنے اور اظہار کے گوشوں کی تراش خراش کے جتن کچھ بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ وہ منزل ہے جہاں طویل علمی سفر طے کرنے اور مشاہدات و تجربات کی کڑی دھوپ سے گزرنے کے بعد ہی الفاظ جذبے کی آفاقیت کو چھونے کے متحمل ہوتے ہیں اور فکر و خیال کی کتنی ہی صدیاں پار کرنے کے بعد مفہوم و معانی کے ایک لمحے کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ رضا بریلوی کی تاریخ حیات کے مطالعے سے ان کی علمی گہرائی و گیرائی، دینی و مذہبی ظرف، فکری و ذہنی صلاحیت، فقیہانہ بصیرت اور مجتہدانہ جد و جہد کے بہت سے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ نعت کا بنیادی ڈھانچہ آگہی اور باخبری پر قائم ہوتا ہے۔ باخبری حصول علم سے پیدا ہوتی ہے اور حصول علم کے لئے جد و جہد کے سمندروں میں ڈوب ڈوب کر ابھرنا لازمی ہوتا ہے۔ احمد رضا خاں رضا بریلوی کی ذات کے کوزے میں کتنے سمندروں کی سمائی ہے، اس کا جائزہ ان کی تاریخ حیات کے مطالعے کے بغیر ادھورا اور نامکمل رہے گا۔ ذیل میں ان کی زندگی کے چند علمی و عملی گوشے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ نعت گوئی کی منزل کے لئے انہوں نے آگہی اور باخبری کا کتنا سرمایہ اپنے ساتھ رکھا۔ اس جائزے کی مدد سے ناظرین کرام کو ان کے منصب و مقام کا صحیح ادراک ہو سکے گا۔

۱۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جدل، ہندسہ، معانی اور بیان کے علوم انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ سے حاصل کئے۔

۲۔ ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، ریاضی، مناظرہ و مرایا، زیجات اور جفر کے علوم اپنی

ذہانت و طباعی اور مطالعے کی لگن سے حاصل کئے

۳۔ مختلف علوم دینی میں شیخ احمد بن زینی، شیخ دحلان مکی، شیخ عبدالرحمٰن مکی، شیخ حسین بن صالح مکی اور شیخ ابوالحسین احمد النوری سے استفادہ کیا

۴۔ علوم روحانی میں قادریہ سلسلے سے بیعت کے علاوہ مختلف سلاسل طریقت میں خلافت اجازت حاصل کی مثلاً سہروردیہ، بدیعیہ، علویہ وغیرہ

۵۔ دو بار حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ پہلی بار قیام مکہ کے دوران شیخ حسین بن صالح کی خواہش پر "الجوہرۃ المضیئہ" کی عربی شرح صرف دو یوم میں مکمل کی، تاریخی نام "النیرۃ الوضیئہ فی شرح الجوہرۃ المضیئہ" رکھا گیا

۶۔ فقہ میں جد الممتار اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایک اور دینی و علمی کارنامہ ترجمہ قرآن بھی ہے جو ۱۹۱۱ء میں "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" کے نام سے منظر عام پر آیا

۷۔ اردو، ہندی، فارسی، عربی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے

۸۔ ۳۱ سال کی عمر تک ۵۰ کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام مکمل کر چکے تھے

۹۔ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں تمام علوم عقلی و نقلی کی تکمیل کے بعد فتویٰ نویسی کا منصب سنبھالا۔

ان معلومات کے حصول کے بعد ان کی نعتیہ شاعری کے مجموعے "حدائق بخشش" حصہ اول و دوم کا مطالعہ کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ان کی نعتیں جذبے کو الفاظ کا پیرہن عطا کرنے اور محبت رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اظہار میں احترام کی حدود قائم رکھنے کے لحاظ سے ہمارے ادب میں ایک مستقل سرمائے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نعت گوئی کی دو حیثیتیں ہمارے سامنے ہیں۔

۱۔ وہ نعت جو روایت سے چل کر عقیدے پر ختم ہو جاتی ہے

۲۔ وہ نعت جو عشق سے چل کر "ایمان" پر ختم ہوتی ہے

رضا بریلوی کی نعت دوسری حیثیت سے تعلق رکھتی ہے اسی لئے ان کی نعت گوئی اپنے معیار کے اعتبار سے ایک انفرادی و امتیازی شان کی مالک نظر آتی ہے۔ وہ نعت کہتے وقت قرآن کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ قرآن سیرتِ مصطفےٰ کا آئینہ ہے اور اس آئینے کو روبرو رکھنے کے بعد فکر کی رفتار میں کسی لغزش کا امکان ہی نہیں رہتا۔ ان کا یہ مصرعہ ان کی نعتوں کا معیار پرکھنے کے لئے بہت کافی ہے۔ ؏

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

نعت کی پہلی حیثیت بھی اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے اور وہ شعراء بھی جو دوسری اصنافِ سخن کے شانہ بشانہ نعت کہتے ہیں، ہمارے لئے باعثِ افتخار ہیں۔ انہوں نے بھی قافلۂ نعت کو زادِ راہ عطا کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ یہاں میرا اشارہ ان نعت گوؤں کی طرف ہے جو نعت گوئی کو ایک تقلیدی رسم تک محدود سمجھتے ہیں اور جن کے ہاں نعت کہنے میں حصولِ علم سے کہیں زیادہ "مشق" اور "ریاضت" کو دخل ہوتا ہے۔ اسی بنیادی کمزوری کی بنا پر وہ خدا شناسی، محبوب شناسی اور خود شناسی کے باہمی رشتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اُن کا تقلیدی جذبہ کم علمی کے باعث ایسے الفاظ کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جو جذبے کو سہارنے کی قوت نہیں رکھتے اور اس طرح ان کے اشعار تاثیر کے معاملے میں لنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ دیکھنا علوم و فنون کے باکمالوں ہی کا کام ہے کہ لفظ کا ظرف کتنا ہے اور وہ فکر کو کس حد تک قبول کرنے کا متحمل ہے۔ رضا بریلوی چونکہ علوم و فنون کے سمندروں سے گزر کر نعت گوئی کے پُل صراط پر قدم رکھتے ہیں اس لئے ان کا فکری شعور نازک سے نازک اور شدید سے شدید جذبے کو الفاظ کے ظرف میں اتارنے کے ہنر سے پوری طرح واقف ہے۔ ان کے جذبے کی بے ساختگی لفظوں کے تعاقب میں نہیں پھرتی، الفاظ خود بڑھ کر اور اس جذبے کو اپنی آغوش میں لے کر اُن کے فکری عمل کو فنی عمل سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری جذبے کی پختگی کے علاوہ ایسی بے شمار فنی خوبیوں کی حامل ہے جن کی مثال

اس دور کے شعراء میں بہت کم ملتی ہے۔ ذیل کے شعر کی جذباتی، فکری اور فنی حیثیت پر غور کیجئے، ایسی سنگلاخ اور سخت زمین میں اُن کی فکرِ رسا نے جدّت و ندرت کے کتنے گوشے نکالے ہیں ؎

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعتِ نبی لکھنے کو روحِ قدس سے ایسی شاخ

رُوح القدس سے طوبیٰ کی سب سے اونچی، نازک اور سیدھی شاخ مانگنے اور اس کا قلم بنا کر نعتِ نبی لکھنے کی تمنا اُن کی نازک خیالی، تنوع اور ندرتِ فکر کا پتہ دیتی ہے۔ اسی سلسلے کا ایک اور شعر طالبِ توجہ ہے ؎

ظاہر و باطن، اوّل و آخر، زیبِ فروع و زینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گُل، غنچہ، جڑ، پتی، شاخ

یہاں فروع، اصول، اوّل و آخر اور ظاہر و باطن کہہ کر اس سے پھول، غنچہ، جڑ، پتی اور شاخ کا ثبوت فراہم کرنا ابداع و اختراعِ سخن کا بڑا جامع نمونہ ہے۔

ایک دوسری زمین میں ان کی جودتِ طبع کی رنگینی و تازہ کاری ملاحظہ ہو ؎

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

قامتِ محبوبِ خدا کی اس سے بہتر اور کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے۔ تشبیہہ کی ندرت و پاکیزگی، فکر کی معانی آفرینی، الفاظ کا انتخاب، اظہار کی معصومیت، سب کے سب وصف ایک مطلع میں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ منزلِ سخن باکمالوں ہی سے سر ہوتی ہے۔ دوسرا مطلع بھی قابلِ غور ہے۔

صدقے میں تیرے باغ تو کیا، لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

دونوں مصرعوں میں بن پھول کی تکرار الفاظ کی یکسانیت کے باوجود مفہوم و معانی کا

کتنا فاصلہ رکھتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں "جذبے کو فن بنانے کا ہنر" اسی زمین میں ایک شعر ملاحظہ ہو۔

دل اپنا بھی شیدائی ہے اُس ناخن پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

یہاں ناخن پا اور مہِ نو کی نسبت کے علاوہ "پھول" کا لفظ اپنا کچھ اور ہی رنگ روپ رکھتا ہے۔ نازک خیالی اپنے عروج کمال کو چھو رہی ہے مقطع کا بانکپن بھی دیکھئے ؎

کیا بات رضاؔ اُس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے جس میں حسین اور حسن پھول

غالب اپنی مشکل پسندی کی آسانی کے لئے کیسی کیسی سنگلاخ، دشوار طلب اور عجیب عجیب زمینیں تراشتا ہے۔ ان زمینوں میں شعر کہنے کو کلیجہ چاہیئے۔ پھر اس میں اپنی انفرادی اور امتیازی حیثیت کو قائم رکھنا آسان بات نہیں لیکن رضا بریلوی ایسی ایسی بہت سی زمینوں سے عقیدت و محبت رسول کے پھول برساتے اتنی سبک رفتاری کے ساتھ گزر جاتے ہیں کہ اہل فن دیکھتے رہ جاتے ہیں ؎

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

شب معراج کے واقعے کو دو مصرعوں کے قالب میں اس طرح سمو کر الفاظ مفہوم کا آئینہ بن جائیں، غیر معمولی انداز بیان ہے۔ "کیف کے پر جلنا" میں جو اچھوتا پن ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

علماء، مجتہدین اور بحرالعلوم قسم کے لوگوں کی شاعری میں موٹے موٹے اور ثقیل الفاظ کی بھرمار، شعر کے الفاظ تلے دب جانے اور محاسن شعری کے فقدان کی روایت عام ہے اور بعض مواقع پر اس کی صداقت ثابت بھی ہو جاتی ہے لیکن رضا بریلوی کی کاوش فکر اس روایت کی نفی کرتی ہے۔ ذیل کے شعر میں ان کا روئے سخن اسی طرف ہے ؎

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اُسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضاؔ کہ یوں

غالب کی مشہور غزل کا مصرعہ ہے

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ذرا اس میں بھی حضرت رضا کی مشاقی ملاحظہ ہو ؎

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالب نے تو پاسبانِ عقل کو دل کے پاس رکھنے کا مشورہ دے کر ایک چونکا دینے والی بات کہی تھی مگر حضرت بریلوی نے "دل کو جو عقل دے خدا" کہہ کر اس خیال کو اور آگے بڑھا دیا ہے۔ اسی زمین میں یہ شعر پڑھیئے اور وجد کیجیئے ؎

جان ہے عشق مصطفےٰ اور فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

"نازِ دوا اٹھائے کیوں" کا ٹکڑا کیفیت عشق کے عمق کو ظاہر کر رہا ہے ایک اور سخت زمین کو کس طرح پامال کیا ہے ؎

رخ دن ہے یا مہرِ سما، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

آخری شعر کے خط کشیدہ الفاظ پر نظر جمائیے "یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں" کا انداز قیامت ہے۔ اس زمین کی مشکل کو کس آسانی کے ساتھ حل کیا ہے، قابل دید ہے ؎

ہے دمِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

اگر کسی شاعر سے کہا جائے کہ "مقالی ہاتھ میں" نظم کرو تو وہ ہکا بکا رہ جائے گا۔

مگر ایک نعت گو شاعر (جناب رضا بریلوی) اسے اسی سادگی اور پُرکاری کے ساتھ الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں کہ وجدان عشق عش عش کرنے لگتا ہے۔ تسلسل کی دوسری کڑی ملاحظہ کیجئے ؎

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

"مالکِ کونین" "پاس کچھ رکھتے نہیں" کی گہرائی "دو جہاں کی نعمتیں" اور ان کے خالی ہاتھ میں" کس کس ٹکڑے کی داد دی جائے اور کس کس لفظ کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے۔ اور اس کیفیت عشق کا تو جواب ہی نہیں ؎

آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود
وقفِ سنگِ در جبیں، روضے کی جالی ہاتھ میں

اللہ اللہ کیا منظر کشی ہے، کیا جذب و مستی ہے، کیا گم شدگی ہے۔ اس سادہ سے شعر میں فکر و نظر کی ہزاروں ادائیں تڑپتی ہوئی نظر آتی ہیں۔
اس زمین نعت کے گل بوٹے بھی آپ کی توجہ کا دامن کھینچتے ہیں ؎

پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب
پھر کھینچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب
تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عرب
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

'بے دام کے بندے' اور 'بے دام کے بندی' (قیدی) نے شعر میں کیسی فنی لطافت پیدا کر دی ہے ؎

ہشت خلد آئیں وہاں کسبِ لطافت کو رضاؔ
چار دن برسے جہاں ابرِ بہارانِ عرب

"ابرِ بہارانِ عرب" کے چار دن برسنے میں وہ کیف، رنگینی، تازگی اور زندگی ہے

کہ ہشت خلد بھی ان سے کسب لطافت کے لئے آتے ہیں، کیا پاکیزہ خیال ہے، سبحان اللہ سبحان اللہ۔
ندرتِ بیان کا اک اور شاہکار دیکھئے۔ یہ شعر بحر کی روانی، الفاظ کے در و بست، فکر کی گہرائی اور تنوع کے اعتبار سے بڑے سے بڑے ادب کے مقابل رکھے جا سکتے ہیں۔

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحٰی ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے رُوحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

کیسی کیسی پاکیزہ اور سراپا نور و نکہت قسمیں کھائی جا رہی ہیں۔ ذرا ان کے زاویوں پر غور کیجئے، ہر لفظ سے خوشبو کے فوارے چھوٹ رہے ہیں ؎

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل ۔۔۔ پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل
رنگِ مژہ سے کر کے خجل یادِ شاہ میں ۔۔۔ کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل

پہلے مطلع میں شاعر خیال کرتا ہے کہ رخِ نبوی کو پھول سے تشبیہ دی جائے پھر اسے فوراً ہی خیال آتا ہے کہ پھول کا جمال تو ان کے جلوۂ کفِ پا سے پامال ہے، ایسی صورت میں اس مثال کا جچاؤ بھرپور نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے شعر میں مژہ پر ابھرتے ہوئے اشکوں کو عطرِ جمالِ گل کہنا اور مژہ کو کانٹے سے نسبت دینا بڑی نازک بات ہے۔
یہ شعر بھی دیکھئے۔

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجئے ۔۔۔ نار سے بچنے کی صورت کیجئے
ان کے نقشِ پا پہ غیرت کیجئے
آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے

آنکھ سے چھپ کر زیارت کرنے میں جو جہانِ معنیٰ پوشیدہ ہے اس کی کیا داد دی جائے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

بات کس منطقی انداز سے کہی گئی ہے۔ دو عالم خدا کی رضا کے طالب ہیں اور خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی رضا کا طالب۔ مفہوم یہ نکلا کہ سرکار کے بغیر کونین کو سرخروئی حاصل نہیں ہو سکتی، کتنی سادہ بات کیسے خوبصورت انداز میں کہہ دی گئی ہے ؎

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی
مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

قافلے کا دیارِ حبیب کی طرف چلنے کے لئے کمر کسنا اور ایک عاشق رسول کا ایسے موقع پر تنہا رہ جانا کیا قیامت کا منظر ہے۔ ساتھ جانا اسی وقت ممکن ہے جب تنہائی کی مشکل آسان ہو، دیکھئے اس مشکل کی آسانی کے لئے وہ کیسی تڑپ کے ساتھ التجا کرتے ہیں۔

مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

اس التجا میں کتنی دردمندی، آرزو اور حسرت کارفرما ہے۔ اس خوبصورت لہجے میں شاعرانہ حسن کے ساتھ انہوں نے اپنی دلی تمنا کا اظہار کیا ہے کہ جس کا ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت امیر مینائی نے اپنے لہجے میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے، یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

ان کے لہجے میں بھی کتنا درد اور کتنی معصومیت ہے۔ ان دونوں کو سامنے رکھئے ؎

"حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں" اور "مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی" میں اگرچہ دونوں لہجوں کی انفرادیت اپنی اپنی جگہ مسلّم ہے مگر حضرت رضا بریلوی کے مصرعۂ ثانی کا تاثر امید و آرزو کے ساتھ ساتھ شاعرانہ اظہار کا بڑا نادر نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

اس زمین میں دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں شمع گویا اور زبان کی باہمی نسبت کتنا مزہ دے رہی ہے۔ دوسرے شعر میں چاند کے اندر دھبوں کو "نشانِ سوختہ" کہنا اور اس کا سبب برقِ انگشتِ نبی کے چمکنے کو قرار دینا کتنی نادر بات ہے اور علوئے فکر کی ایسی روشن مثال جس کا ادب و شعر میں جواب نہیں۔

"حدائقِ بخشش" کے اوراق عشقِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عمیق جذبے سے بھرے پڑے ہیں۔ وجدان مشکل میں ہے کہ کس شعر کا انتخاب کرے اور کسے چھوڑے۔ وقت کی قلت اختصار کی متقاضی ہے اور ذوقِ سخن کا اصرار ہے کہ زیادہ سے زیادہ لکھا جائے۔ بہرحال چند اور شعر پیش کئے بغیر تشنگی رہے گی۔

یا الٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
ان تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

جس کے تلووں کا دھووَن ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

سارے اچھوں سے اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا — ہمارا نبی

خامۂ قدرت کا حسنِ دستکاری واہ وا
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ وا

اس نعت کی کیفیت میں بیخودی و سرشاری کے سینکڑوں سمندر موجیں مار رہے ہیں۔ ؎

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یارِ ارم، تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

غالب نے اپنی غزل کے ایک مصرعے میں "بھوں" کا لفظ نظم کیا تھا جس پر اہلِ نظر نے بڑی ناک بھوں چڑھائی تھی۔ رضا بریلوی نے "بھووں" کا لفظ ایک شعر میں استعمال کیا ہے۔ ذرا نعت میں اس لفظ کی پاکیزگی اور لطافت دیکھئے۔

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

یہاں بھی دیکھئے کتنے پیارے اور محبت بھرے لہجے میں آقائے کونین سے مخاطبت ہے ؎

مصطفیٰ خیرالوریٰ ہو   سرورِ ہر دوسرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق   ہم بدوں کو بھی نباہو

یہاں التجا کی دردمندی "ورنہ زیبا ہو" کی طرزِ ادا پر قربان ہوجانے کو دل چاہتا ہے۔ اسی طرح اس شعر کے تاثر کی بے پناہی کا انداز ملاحظہ طلب ہے ؎

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

لفظ و معنی کی ہم آہنگی "سستا سودا"، "بیچنا" "مول چکانا" اور "ہاتھ ہی خالی ہے" کے ٹکڑے گویا نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ اپنی بے بضاعتی کا اس سے بہتر اور کیا منظر کشی ہوسکتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مقصود کا قلم شاعر کے قلم کو سجدہ کرتا ہے۔ اپنی بے بضاعتی کے باوجود امید کا دامن ان کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹتا۔ فرماتے ہیں ؎

رضا قسمت ہی کھل جائے جو گیلاں سے خطاب آئے
کہ تو ادنیٰ سگِ درگاہِ خدامِ معالی ہے

پھر اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں ؎

ایمان ہے قالِ مصطفائی   قرآن ہے حالِ مصطفائی
میری شبِ تار دن بنا دے   اے شمعِ جمالِ مصطفائی
کل سے بالا رسل سے اعلیٰ   اجلال و جلالِ مصطفائی

اس شعر میں فکر کی صناعی نے معنی کا عجیب پیکر تراشا ہے ؎

ذرے جھڑ کر تیری پیزاروں کے   تاجِ سر بنتے ہیں سیاروں کے

ان ذروں کا سیاروں کے سر کا تاج بننا جو حضور کی نعلین مبارک سے جھڑ کر گرے ہوں، ندرتِ فکر کی ایسی مثال ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے موقع پر بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو   کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں   آؤ جُودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو

زیرِ میزاب حرم خوب کرم کے چھینٹے
ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو

ایک دوسری جگہ وہ اسی آرزو کو کس خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کے قالب میں ڈھالتے ہیں ؎

واہ کیا جُود و کرم ہے شہِ بطحیٰ تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

انہیں یقین ہے کہ وہ جس در سے مانگ رہے ہیں وہ جود و عطا اور رحمت و کرم کا در ہے۔ یہاں "نہیں" کا لفظ سننے ہی میں نہیں آتا۔ دینے والا اتنا دیتا ہے کہ بقول بیدم شاہ وارثی سائل کو اپنے دامن کی کوتاہی کا شکوہ ہو جاتا ہے ؎

دینے والے تجھے دینا ہو تو اتنا دے دے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیِ داماں ہو جائے

حضرت رضا بریلوی "دینا ہو تو اتنا دے دے" کے قائل نہیں انہیں اعتماد ہے کہ وہ خواہ کچھ مانگ لیں اس در سے "نہیں" نہیں ہو سکتی۔

ذرا اس نعتیہ قصیدے کے مطلع سے بھی سماعت کو محظوظ کیجیے۔

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

دریا کا پیاسوں کے تعاقب میں پھرنا رحمتِ سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے کتنا وسیع استعارہ ہے ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

کتنی بڑی بات کتنے اختصار کے ساتھ کہہ دی گئی ہے۔ "محبوب و محب" اور "میرا تیرا" کی نسبتیں مفہوم و معانی کی کیا کیا منزلیں سر کر رہی ہیں۔ ایک اور نکتۂ فکر ملاحظہ ہو ؎

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ وا
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ وا

پہلے مصرعے میں "ذوق افزا" کا ٹکڑا معانی کے کتنے گوشوں پر محیط ہے۔ دوسرے مصرعے میں اسی بات کو گھما کر تازہ کاری اور تنوع پیدا کرنے کا فن کارفرما ہے جو حضرت رضا بریلوی کے مزاجِ عشق کا حصہ ہے۔ پرہیزگاری کا قرض کے طور گناہ حاصل کرنا محض اس لئے کہ شفاعت کا موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے، کتنا وجد آور اور اچھوتا خیال ہے۔

ہی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کو اپنی اس حیثیت پر ناز ہے کہ وہ شہِ گردوں جناب کی بارگاہ کا ایک ذرہ ہیں اور اس نسبت سے وہ خود کو رشکِ قمر اور رنگِ رخِ آفتاب کہنے میں حق بجانب ہیں ؎

رشکِ قمر ہوں رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرہ جو تیرا اے شہِ گردوں جناب ہوں

ذرہ ذرہ ہے آفتاب نہیں۔ اس کی صفت یہی ہے کہ وہ آفتاب کی نسبت سے اس کے رنگ کا پرتو اور مظہر ہے لیکن اس ذرے کا کیا پوچھنا جس پر چاند رشک کرے اور جسے آفتاب اپنے رنگِ رُخ سے نوازے۔

نعت گوئی میں احترام کی حدود کا عرفان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی صاحبِ دل، صاحبِ نظر، پاک باطن، باخبر اور اہلِ کمال ہو ورنہ وہ آفتاب اور رنگِ رخِ آفتاب کے بنیادی فرق اور اس کی نوعیت و نزاکت میں تمیز نہیں کر سکتا۔

عام طور پر شعرا کے نزدیک تمام اصنافِ سخن میں غزل کو اظہار کا بہترین وسیلہ گردانا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ غزل ہی ایسے باریک جذباتِ عشق کو اپنے میں سمونے

اور اظہار کے رنگا رنگ زاویے تراشے ہیں بڑا موثر کردار ادا کرتی ہے ، بات اس حسن سے
کہہ جانے کرنے والا پھڑک کر اسے اپنے دل کی بات سمجھ لے یہ ہے غزل کا بنیادی وصف ،
یہی سبب ہے کہ بے شمار صوفیائے عظام ، شعراء ، فقراء اور اہلِ تصوف نے اپنی
بات کو دل میں اتارنے کے لئے غزل ہی کا انتخاب کیا ہے ، میرے ذہن میں مدتوں سے ایک
شعر چھایا ہوا تھا ؎

تیرے آنے کا انتظار رہا
عمر بھر موسمِ بہار رہا (رسا چغتائی)

اسی بحر اور قوافی میں جب حضرت رضا بریلوی کا یہ شعر میری نظر سے گزرا تو میں چونک
گیا آپ بھی سنیئے اور محسوسات و لطافتِ شعری کی داد دیجئے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اُن کے سوئے لالہ زار خرام فرمانے سے بہار کے دن پھر جانا ذہنی بوقلمونی کی کیا
نادر مثال ہے ۔ محاورے کا برمحل استعمال ، اظہار کی ندرت اور فکر کی پاکیزگی نے رنگ و نکہت
کا ایک ایسا آمیزہ تیار کیا ہے جس کے ذائقے کو آنکھوں ہی سے چکھا جا سکتا ہے ۔
شہنشاہِ عرب و عجم کے حضور حضرت رضا بریلوی کی فریاد کی لَے مختلف لباس بدلتی
اور اظہار کے پیکر تراشتی اس منزل تک آجاتی ہے ؎

غم ہو گئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا
مجھ سا کوئی غمزدہ نہ ہوگا
تم سا نہیں غمگسار آقا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

یہاں خاک کے مختلف پیرائے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں ؎

جلتی تھی زمیں کیسی ، تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

یہاں کڑی دھوپ میں اس قدِ بے سایہ کا سایہ کناں آنا ، اتنی خوبصورت منظر نگاری ہے
جس پر وجد کرنے کو جی چاہتا ہے ۔

جناب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ حضور اقدس کے مدینہ حاضری دینے کو کس شوق و
ذوق سے جاتے ہیں مگر وہاں سے واپسی پر ان کا جو حال ہوتا ہے وہ انہی کے الفاظ
میں ملاحظہ کیجئے ؎

یاد میں جس کی نہیں ہوشِ تن و جاں مجھ کو
پھر دکھا دے وہ رخِ اے مہرِ فروزاں مجھ کو
میرے ہر زخمِ جگر سے یہ نکلتی ہے صدا
اے ملیحِ عربی کر دے نمکداں مجھ کو

ملیحِ عربی کی ترکیب پر جتنی بار صلِّ علیٰ پڑھا جائے کم ہے ۔ ملاحت کا ذکر آیا ہے تو
بیدم وارثی کا یہ شعر بھی سن لیجئے ؎

او نمک پاش تجھے اپنی ملاحت کی قسم
بات تو جب ہے کہ ہر زخم نمکداں ہو جائے

حضرت رضا بریلوی (علیہ الرحمۃ) نعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی منزل میں اپنا
مقام خوب جانتے ہیں ، انہیں اپنے جذبۂ عشق پر اعتماد ہے ، اس اعتماد کو وہ مختلف انداز
میں شعر کا لباس پہناتے رہتے ہیں ؎

اے رضا وصفِ رخِ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغِ خوش الحاں مجھ کو

اے رضاؔ جانِ عنادل تیرے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تُو تو ہے عبدِ مصطفےٰ
تیرے لئے امان ہے' تیرے لئے امان ہے

احکامِ شریعت کی سختی سے پیروی علماء کے بعض مکاتبِ فکر میں حضرت رضا بریلوی کو سخت گیر کے روپ میں پیش کرتی ہے۔ لیکن ان کے علمی تبحر اور شاعرانہ کمال سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ ؎

آتے رہے انبیاء کما قیل لہم — والخاتم حقکم کہ خاتم ہوئے تم
یعنی جو ہوا دفترِ تنزیل تمام — آخر میں ہوئی مہر کہ اکملت لکم

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ !
پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ
شہا بے کس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ — اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں — ایمان یہ کہتا ہے' مری جان ہیں یہ

اس رباعی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انسانی شرف و برتری کا نقشہ کتنے معتبر انداز میں کھینچا ہے۔ مفہوم کی بلاغت' بیان کی لطافت کس کس چیز کو سراہا جائے۔ بے ساختہ مرحبا اور صلِ علیٰ کے الفاظ زبان پر آتے ہیں۔ پہلے یہ کہا گیا کہ سرکارِ دو جہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سرتابقدم اللہ کی شان ہیں۔ پھر یہ بتایا گیا کہ یہ انسانی لباس میں ہیں لیکن ایسے انسان ہیں جن کی مثال تمام عالمِ انسانیت میں نہیں ملتی۔ پھر یہ بتایا گیا کہ وہ انسان ہیں جنہیں قرآن ایمان بتاتا ہے۔ پھر چوتھے مصرعے میں ؎

"ایمان یہ کہتا ہے' مری جان ہیں یہ"

کہہ کر مفہوم کو فصاحت و بلاغت کے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا گیا ہے ؎

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ — عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ
بیٹھوں جو درِ پاکِ پیمبر کے حضور — ایمان پر اس وقت اٹھانا مولیٰ

ذرا فارسی میں مانگنے کا لب و لہجہ اور آرزو کی تڑپ کا منظر ملاحظہ کیجئے۔ قربان اس آرزو کے ؎

اُمتان و سیاہ کاری ! — شافعِ حشر غم گساری !
سگِ کوئے نبی و یک نگہے — من و تا حشر جاں نثاری !

اردو میں اندازِ طلب کی معصومیت دیکھئے ؎

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو

رباعی، قطعات، قصائد، غزلیں "حدائق بخشش" میں ایک سے ایک انمول موتی موجود ہے۔ افسوس کہ ہمارے ملک کے بعض "یک رخے" ناقدین نے تصویر کا یہ رخ دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہ فرمائی ورنہ رضا بریلوی کا کارنامہ نعت گوئی ان کے دوسرے علوم و فنون کی طرح کب کا عوام کے سامنے آچکا ہوتا۔ میں نے اپنے مضمون میں گرچہ ان کی نعت گوئی کا مختصر و بھرپور جائزہ پیش کیا ہے۔ پھر بھی وقت کی کمی نے بہت سے گوشوں سے نقاب نہیں اٹھانے دیا۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہ مضمون رضا دوستوں، نقادوں اور اہل انصاف کے لئے ایک تحریک کی حیثیت ضرور رکھتا ہے۔
اگر عشق سچا اور طلب صادق ہو تو تلوار کی دھار سے بھی انتہائی توازن اور سبک گامی کے ساتھ گزرا جا سکتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اس منزل سے گزر کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ بڑے بڑے نعت گویوں کے درمیان اپنی ایک منفرد و ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

تبرکاتِ رضا

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی!
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ!

پیشہ میرا شاعری نہ دعوے مجھ کو!
ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کے خلاف
لوزینہ میں سیسہ تو نہ بھایا مجھ کو

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ